Tauseeq, Volume. 5, Issue. 1
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v5i1.30

Received: 06-04-2024
Accepted: 15-05-2024
Published: 30-06-2024

سعید اشعر کے افسانوں میں سماجی عناصر
Sociological themes in Saeed Ashar's fiction

ڈاکٹر سلمٰی*
ڈاکٹر راحیلہ بی بی
کائنات گل

Abstract:

Rousseau, a great philosopher, writes that "Man is a social animal". In light of this quotation it is rightly said that he cannot remain detached from society. Meanwhile, literature serves as the interpreter of life, encompassing all aspects of society including social, economic, political, religious, and historical dimensions, culminating at a particular point. Saeed Ashar, hailing from Haripur district of Khyber Pakhtunkhwa's Hazara Division, is known as a social realist as well as a unique style bearer in Urdu fiction. He has presented exemplary instances of social realism and sketches in his stories. His stories not only depict the harsh truths and complexities of life but also portray the injustices, inequalities, discrimination, tyranny, capitalist and feudal systems' evils, the plight of the lower classes, and numerous such issues prevalent in society. He has made the living and breathing characters of society the subject of his stories and has unveiled the dark facets of society.

Keywords:

Fiction, Society, Dark Aspects, Social realism, Harsh Realities

۲۰۱۷سماج سے مراد فلسفہ حیات کا وہ طریقہ ہے جس کے تحت انسان کچھ پابندیوں اور روایتوں کے ماتحت زندگی گزارتا ہے۔ جبکہ ادب انسانی جذبات و احساسات اور خیالات کا تحریری بیان ہے۔ ان دونوں کے باہمی تعلق کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ دونوں کا اٹوٹ تعلق بن چکا ہے۔ ادب زندگی کا ترجمان اور سماج کی پیداوار ہے۔ کیونکہ ادب کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے اور انسانی زندگی کا منبع و سرچشمہ سماج ہے۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ادب کا وجود سماج کی تشکیل سے ہے۔

* لیکچرر،شہید بے نظیر بھٹو ویمن یونی ورسٹی پشاو
اسسٹنٹ پروفیسر،،شہید بے نظیر بھٹو ویمن یونی ورسٹی پشاور
ایم فل سکالر،،شہید بے نظیر بھٹو ویمن یونی ورسٹی پشاور

افسانوی ادب کے مختصر مگر جامع صنف افسانہ پر ڈالی جائے۔ تو یہ
شروع ہی سے پرآشوب دور کا سامنا کر رہی ہے۔ لیکن کبھی ہمت نہیں ہاری بلکہ سماجی حالات کے پیش نظر اٹھنے والے رویوں اوررجحانات کو اپنے دامن میں جگہ دے کر اس کو اپنا ہتھیار بنایا ، وقت اور حالات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مردانہ وار مقابلہ کیا اور اپنا الگ تشخص برقرار رکھا۔ کہیں کہیں وقت کے تھپیڑوں اور سنگین حالات سے اس کے قدم ضرور لڑکھڑائے مگر خود کو گرنے اور مرنے نہیں دیا بلکہ ہر ممکن کوشش کر کے اپنا منفرد مقام بنانے میں کامیاب ہوئی۔

افسانے کی ابتدا (بیسویں صدی) کا بغور جائزہ لیا جائے تو اس کے افق پر
پریم چند کا نام چمکتے سورج کی مانند جگمگاتا ہے۔ جنہوں نے سماج میں رہ کر سماج پر قلم اٹھایا۔ دیہات کے عام انسان کی زندگی کے المیوں کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا اور افسانہ کے موضوعات کو معاشرے کے اور دیہاتوں کے درمیان پہنچا دیا۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

"پریم چند زمین کی سوندھی سوندھی باس سے بہت قریب تھا۔

اس نے تخیل کی رفعتوں کے بجائے زندگی کے ارضی پہلوؤں اور سماج کی واضح کروٹوں کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ " 1

افسانہ جس دور میں ظہور پذیر ہوا۔ وہ نئے نئے تجربات اور تغیرات کا عہد تھا۔ ایسے
میں پریم چند کا افسانہ "بے غرض محسن" سامنے آتا ہے۔ جسے ہم نہ صرف پریم چند کے بہترین افسانوں بلکہ اردو ادب کے ابتدائی دور کے بہترین افسانوں کی فہرست میں شامل کر سکتے ہیں۔ پریم چند کے بعد سماجی حقیقت نگاری جب ترقی پسند افسانہ نگاروں کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے تو اور زیادہ نکھر کر سامنے آتی ہے۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد نے سماجی حقیقت نگاری پر مبنی افسانے تخلیق کیے۔ انہوں نے مفلسی، افلاس، بھوک، جہالت، گداگری، جہیز ، رشوت، ذات پات کی تفریق، عورتوں کی تعلیم، گروہ بندی اور فرقہ واریت جیسے سماجی مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ یہ کہنا تو شاید درست نہیں کہ ہر افسانہ نگار نے اس موضوع پر قلم اٹھایا مگر جب ہم افسانوی ادب کے پہلی نصف صدی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تقریبًا ہر فنکار نے اپنی سوچ اور نظریے کے مطابق ان سماجی مسائل کو افسانوں میں برتنے کی کوشش کی ہے۔ جو اس وقت کے معاشرے میں اہمیت کے حامل تھے۔ بقول ڈاکٹر شکیل احمد:

"ادب زندگی سے فیضان حاصل کرتا ہے۔ ادب کی بنیاد زندگی اور اس کے مسائل میں پیوست ہے۔

اردو افسانہ میں بھی زندگی کی جھلک ابتدا سے دیکھنے کو ملتی ہے۔" 2

حقیقت تو یہ ہے کہ ادب اور سماج ایک دوسرے کے لیے لازم اور ملزوم ہیں۔
انہیں کسی بھی حال اور کسی بھی موقع پرایک دوسرے سے جدا کرنا ناممکن ہے اور چونکہ افسانہ ایک ہمہ گیر اور جدید صنف ہے۔ سماجی مسائل جس انداز سے افسانے میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ دیگر اصناف سخن میں ممکن نہیں، بقول ڈاکٹر شکیل احمد:۔

"افسانہ کی ساری بنیاد انسانی زندگی اور اس کے متعلقات پر استوار ہے۔" 3

ابتدا ہی سے افسانے کا موضوع سماج ہی رہا ہے۔ افسانہ نگار کی سماج پر
گہری نظر ہوتی ہے۔ اس بات سے کسی طورانحراف نہیں کیاجا سکتا کہ افسانہ نگاروں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے اردو افسانے کے ذخیرہ میں بیش بہاضافہ کیا ہے۔ ایسے افسانے تخلیق کیے ہیں جس میں سماج کی تصویر واضح دکھائی دیتی ہے ۔ کسی بھی تخلیق کار کی تخلیقی کاوش سماج کی ان روایات و حادثات سے وابستہ ہوتی ہیں۔ جس میں وہ زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی فنکار اپنے سماج اور اس کے مسائل سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ سماج کے انہی مسائل کو افسانہ نگار اپنے افسانوں کے لیے منتخب کرتا ہے اور اس پر اپنے اظہار رائے دیتا ہے۔

جدید دور کے افسانہ نگاروں میں سعید اشعر جدت اور حقیقت کے
حسین امتزاج کے طور پر ابھرتے ہیں۔ سید اشعر اگرچہ بنیادی طور پر شاعر ہیں مگر انہوں نے قلم کو ادب کے مختلف اصناف کی گلیوں میں کچھ یوں گھمایا ہے کہ اپنی ایک منفرد اور ممتاز شناخت بنانے میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ جدت پسند شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ سید اشعر ایک باکمال اور بلند پایہ افسانہ نگار بھی ہیں۔ مستقیم نوشاہی ان کے متعلق کچھ یوں رقم طراز ہے:۔

"اشعر باکمال شاعر، عمدہ نثر نگار اور بلا کا زودگو ہے۔ وہ اردو ادب کا ایسا شاہ سوار ہے۔

جس کا اسپ ایک معرکہ سر کرنے کے بعد دم نہیں لیتا بلکہ دوسرے معرکے کے لیے سر پر دوڑنا شروع کر دیتا ہے۔" 4

سید اشعر کے افسانوں میں سماجی حقیقت نگاری کا عنصر نمایاں طور
پر نظر آتا ہے۔ جس کے تحت انہوں نے نہ صرف عام معاشرتی، معاشی، نفسیاتی، سماجی اور اقتصادی مسائل پیش کیے ہیں بلکہ ان کے عیب و صواب کو نمایاں کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں معاشرے میں پھیلی ہوئی ان تمام برائیوں، خامیوں اور ناہمواریوں کی عکاسی ملتی ہے

جس کو انہوں نے دیکھا۔ انہوں نے معاشرے کے تمام استحصالی ذہنوں کے خلاف اپنے قلم کے ذریعے آواز اٹھائی اور معاشرے کی اصلاح کی۔ انہوں نے معاشرے کے تمام تر حقائق سے جس انداز میں پردہ چاک کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کے ہاں موضوعات کی رنگا رنگی ہے۔ انہوں نے مذہبی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کے ساتھ ساتھ ہمدردی، بغض، حسد اور انسان دوستی، جیسے موضوعات کو بھی نہایت خوبصورتی سے افسانوں میں برتا ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار حقیقی زندگی کے جیتے جاگتے اور سانس لیتے ہوئے کردار معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی تخلیقی کردار نگاری کے متعلق نعیم گیلانی کچھ یوں رقم طراز ہیں:۔

"وہ اکثر و بیشتر اتنی جذبات کے ساتھ کہانی پیش کرتے ہیں کہ ان کے تخلیق کردہ کردار حقیقی زندگی کے جیتے جاتے کرداروں کا روپ دھار لیتے ہیں۔" 5

سعید اشعر اپنے افسانوں میں سماج میں جڑ پکڑتے ہوئے مسائل کو نہایت باریک بینی سے نمایاں کرتے ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعے "ڈرائنگ ماسٹر" کے پہلے افسانے "مولا پور" میں انسانی اخلاقی اقدار کی زوال کی تصویر جھلکتی ہے۔ انسان جسے اللہ نے اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کیا ہے اور اخلاق کی بنا پر حیوان سے ممتاز کیا۔ آج وہ اس قدر اخلاقی تباہی کا شکار ہے کہ اپنے ساتھ ساتھ قوم کی تباہی کا بھی سبب بن رہا ہے۔ مرد جیسے اللہ نے عورت کی ڈھال، سائبان اور اس دنیا میں محافظ بنایا ہے۔ وہ اپنے نفس کے غلامی میں پڑ کر بھیڑیے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ عورت کی آبرو ریزی کا یہ عالم ہے کہ موت کے بعد بھی اس کی عصمت محفوظ نہیں۔ دن کے اجالے میں بظاہر نیک اور شریف نظر آنے والے رات کی تاریکی میں جب اپنے اصلی روپ میں آ کر حیوانیت کا بہروپ اختیار کرتے ہیں۔ تو نسوانی میتوں کی عصمت دری کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ افسانہ ملا پور سے ایک اقتباس ملاحظہ ہوں:۔

"شاہ صاحب! اپ کا اور اس جرگے میں موجود ہر فرد کا میرے نزدیک بہت احترام ہے۔ میرے دل میں جو بات ہے وہ میں اس لیے نہیں کرنا چاہ رہا تھا کہ مجھے معلوم ہے اپ لوگوں کے پاس اس کا کوئی حل نہیں۔ اپ نے مجھے مجبور کیا تو سنیں۔ پچھلے مہینے بھی اس مولا پور میں ایک جوان لڑکی فوت ہوئی تھی۔ اس کی میت کو قبر سے نکال کر کسی نے بے حرمتی کی تھی۔ جس کا مجرم ابھی تک نہیں پکڑا گیا

میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی کے ساتھ کوئی یہ سلوک کریں اس لیے میں نے یہ بہتر سمجھا کہ اس کی میت کو شمشان گھاٹ لے کر جلا دوں۔" 6

اس افسانے میں افسانہ نگار نے نہایت مہارت سے معاشرے کے مکروہ چہرے کو بے نقاب کیا ہے۔ مذہب اسلام جس نے عورت کو معاشرے میں خاص اور نمایاں مقام دلا کر اس کی عزت کو امر کر دیا ہے مگر المیہ یہ ہے کہ آج عورت ایک عورت کی کوکھ سے جنم لینے والے کی درندگی اور وحشت کی بھینٹ چڑھ رہی ہے۔

سماجی نظام میں عدم مساوات و ظلم وستم کے سبب نچلا طبقہ مغلوب ہو کر رہ گیا ہے۔ برادرزم سماج کے رگ و پے میں اس قدر سرائیت کر چکا ہے کہ سرمایہ دار اور بالادست طبقے کے ہاتھوں نچلے اور سادہ لوح طبقے کا استحصال روز بروز بڑھتا جا رہا ہے جس سے نہ صرف غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے والے غربت کی چکی میں پھس کر رہ گئے، بلکہ اس موذی مرض نے نفرت کے بیج بو کر سماج سے انسانیت اور ادب و احترام کا خاتمہ بھی کر دیا ہے۔ سید اشعر نے اپنے افسانہ "حرام" میں سماج کے کمزور و محروم طبقے کی بالادست اور سرمایہ دار طبقے کے ہاتھوں استحصال کا ماتم کیا ہے۔ جو بعض دفعہ اقتصادی مسائل سے بڑھ کر عزت نفس کو اپنے لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ افسانہ "حرام" سے اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"اماں میں کہہ تو رہی ہوں ایسا کچھ نہیں۔

بلکہ اس سے بھی پہلے میں دائی خالہ کو بلاتی ہوں سب کچھ صاف صاف کھل کے سامنے آ جائے گا۔

پتہ نہیں اب اس بات میں کتنا سچ اور کس قدر مبالغہ ہے۔ دائی خالہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ لڑکی کی چال دیکھ کر بتا دیتی کہ بچہ کتنے دنوں کا ہے بلکہ اس کا تیر نشانے پر لگا سائرہ نے اپنے ہتھیار پھینک دیے۔

اماں اسے نہ بلاؤ۔ بتاتی ہوں۔ "چند لمحوں کے لیے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

بلقیس نے کانپتی ہوئی اواز میں پوچھا۔

"کس کا ہے؟"

پٹواریوں کے بیٹے ملک ابرار کا۔ وہ مجھ سے شادی کرے گا۔" 7

اس افسانے میں افسانہ نگار معاشرے میں بے بسی اور لاچاری کی زندگی گزارنے والے نفوس کے اس تاریک رخ کو سامنے لاتے ہیں۔جو اپنی بنیادی حقوق سے محروم ہے۔ جو ظلم و استحصال کا شکار ہے اور وہ لوگ جو بالادست اور اثر و رسوخ والے

ہیں۔ وہ ان کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کا یہ افسانہ استحصالی مزاج اور سرمایہ دارانہ نظام پر ایک طمانچہ اور کاری ضرب ہے۔

اسی نوعیت کا حامل ایک اور افسانہ "صادق اینڈ سنز الیکٹرانکس" کے نام سے ہے۔
جس کا موضوع معاشرے کا وہ نچلہ اور محنت کش طبقہ ہے۔ جنہیں ان کی محنت سے بہت کم مزدوری دے کر ان پر احسان کیا جاتا ہے۔ افسانہ نگار نے اس افسانے میں ایک ایسا معاشرہ دکھانے کی کوشش کی ہے جو محنت کش طبقے کا خون چوسنے میں رتی برابر عار محسوس نہیں کرتے بلکہ ان کو ان کی محنت کا معاوضہ بھی اس انداز سے دیتے ہیں جیسے ان پر احسان کر رہا ہو۔ افسانے سے اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"صبح چاچا نے خان کے ایک ادمی کی مدد سے تمام لوڈ سپیکر اور تار درختوں اور ستونوں سے اتار کر ایک جگہ اکٹھی کیں۔

خان نے ایک ادمی کو کہا۔مہمانوں کو نیچے سیتھ میں چھوڑ آؤ

اس نے 20 روپے بٹوے سے نکال کے چاچا کو اس طرح دیے جیسے احسان کر رہا ہو۔

خان صاحب! یہ تو ادھے پیسے بھی نہیں۔ بہت ہی تھوڑے ہیں۔ جب کہ اس میں ہماری کوئی غلطی بھی نہیں۔

میں اب کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ آپ نے مجھے بہت مایوس کیا۔

پورے علاقے میں اتنی بےعزتی اس سے پہلے کبھی کسی کی نہیں ہوئی ہوگی

یہ کہہ کے وہ ایک خیمے کے اندر غائب ہو گیا۔ آس پاس کھڑے تمام لوگ ہمیں قہرآلود نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

جیسے ہم وجود بن گئے ہوں۔" 8

اس افسانے میں افسانہ نگار نے انسانی رویوں کی عمدہ مصوری کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ محنتی اور جفا کش فرد کی سماج اور اپنے ہم جنس کے ہاتھوں استحصال کو بھی بخوبی بے نقاب کیا ہے۔

ملکی زوال پذیر معاشی بحران کی وجہ سے جب مستقبل اندھیر
تاریکیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ اشیائے خورد نوش کی قیمتوں کو پر لگ جاتے ہیں تو ایسے میں بنیادی ضروریات کو پورا کرنا بھی پہاڑ سر کرنے سے کم نہیں لگتا۔ ایسے حالات میں گھر کا

سربراہ اپنے اہل و عیال کو زمانے کی سردوگرم سے بچانے کے لیے خود کو ان سے دور کرتا ہے اور پردیسی بن کر ان کی بنیادی ضروریات اور جائز خواہشات کو پورا کرنے کے لیے دن رات جان توڑ محنت کرتا ہے اور طرح طرح کی قربانیاں دیتا ہے۔ سید اشعر کا افسانہ ”ہاہاہا“ بھی ایک ایسے تارکِ وطن کی داستان ہے۔ جو حصول رزق کی تلاش میں اپنے سب رشتوں ناطوں اور خاندان سے دور دیارِ غیر میں زندگی کے دن کاٹ رہا ہے۔ جسے معیشت اور امراض کی چکی نے آدھ موہ کر دیا ہے لیکن اسے اپنی کوئی پرواہ نہیں۔ اسے اگر پرواہ ہے تو صرف اور صرف پیچھے رہ جانے والے اپنے متعلقین کی خوشی اور سکون کی ہے ۔

جن کی مسکراہٹوں میں ان کے دل کا سکون پنہاں ہے۔ افسانہ ”ہاہاہا“ سے اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"ارے ہاں جی صاحب! کرسی پر بیٹھیں۔

میں نے اسے کرسی پر بیٹھے رہنے کا کہا لیکن وہ نہیں مانا تھوڑی دیر بعد میری گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا۔ میں نے احمد کو آواز دی جو پانچ سات قدموں کے فاصلے پر گاڑی کے پاس کھڑا شاید فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ مجھے اپنی آواز ایسے سنائی دی جیسے کسی گہرے کنویں سے لرزتی ہوئی باہر آرہی ہو۔ احمد ٹس سے مس نہیں ہوا۔ میں نے اپنی پوری قوت لگا کے دوبارہ اسے پکارا۔ وہ لپک کر میری طرف بڑھا۔

میرا جی گھبرا رہا ہے۔ پانی۔

میں اتنا ہی کہہ پایا۔

ابھی لے کے اتا ہوں۔

بوفیہ (چائے کی دکان) پاس ہی تھا۔ میں نے اس کے جانے کی آواز سنی۔ پھر میں بے خبر ہو گیا۔

بےخبری سے واپس آنے والوں کی

جیبوں میں

سونے کے سکے ہوتے ہیں

ان کے ماتھے پر

قطبی تارا

روشن ہوتا ہے

پیروں کے نیچے پارس

ہاتھوں میں وقت کا دھارا ہوتا ہے۔

جیسے میں خوابیدہ حالت میں تھا۔ کوئی مجھے اٹھا کے کرسی پر بٹھانے لگا۔

حاجی صاحب------حاجی صاحب--------کیا ہوا آنکھیں کھولیں---- حاجی صاحب---- پانی پئیں------ حاجی صاحب کو کیا ہوا ہے----- حاجی صاحب-------آنکھیں کھولیں------"

کہیں دور سے مجھے احمد کی اواز سنائی دے رہی تھی۔

بیٹھے بیٹھے اچانک گر گئے ہیں۔

اصل میں رطوبہ بہت زیادہ ہے۔

حاجی صاحب کو اندر لے جائے باہر گرمی زیادہ ہے۔" 9

افسانے کے مرکزی کردار خالد کی تصویر حقیقی زندگی کی ترجمانی کر رہی ہے۔ ایک باپ جو کہ خود کو دھوپ میں صرف اس لیے رکھتا ہے تاکہ اس کی اولاد چھاؤں میں رہے اور پرسکون زندگی گزار سکیں۔ خالد بھی ایک باپ کے روپ میں سامنے آکر اپنے عہد کی عکاسی کر رہا ہے جو پوری طرح معاشی تنگیوں اور بیماریوں میں گرا ہوا ہے لیکن باوجود اس کے اس کی اولین خواہش اپنے بچوں کا بہتر مستقبل اور شاندار زندگی کی فراہمی ہوتی ہے۔ ایک اور مثال ملاحظہ ہو:۔

"اتنے میں احمد نے میرے ہاتھ میں گاڑی کی چابی تھمادی۔ میں ہانپتا شانپتا تیسری منزل پر واقع اپنے فلیٹ پر پہنچا۔ سب سے پہلے صابن کے ساتھ رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھوئے جن پر کالک لگی ہوئی تھی۔ ناک پر جمے خون کو صاف کر کے ویسلین لگائی۔ گھٹنے پر کوئی زخم نہیں تھا البتہ دائیں طرف کے اوپر والی پسلیوں کی جگہ ایک خراش پڑی ہوئی تھی۔ سر پر بھی کسی قسم کا کوئی زخم نہیں تھا۔ کمزوری محسوس ہو رہی تھی ناشتہ بنانے کے لیے کچن میں داخل ہو گیا۔ ریک میں رکھی نمکین موم پھلیوں کی برنی پر نظر پڑ گئی۔ ایک دانہ منہ میں ڈال کر جو ہی چبایا۔ دائے کنپٹی سے درد کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ میں ہارے ہوئے جواری کی طرح جا کے بستر پر نیم دراز ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد جو آرام آیا تو بیڈ کے قریب میز پر رکھے موبائل نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ کسی کا میسج آیا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کے موبائل اٹھا لیا۔ علی کا میسج تھا۔

پاپا! اس بار گھر کے خرچے کے ساتھ قربانی کے پیسے بھی بیچنے ہیں۔

میں نے جواب میں اوکے لکھ کر بھیج دیا۔" 10

اس افسانے میں افسانہ نگار نے نہایت سادگی اور برجستگی سے کام لیتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ والدین کی جوانی سے ہر قسم کا فائدہ اٹھا لینے کے بعد اولاد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بڑھاپے میں اپنے والدین کو ہر طرح کی ذہنی اور جسمانی سکون دے۔ افسانہ نگار نے خالد کے کردار کی شکل میں اولاد کی خوشی اور سکون کی خاطر دیار غیر میں مقیم ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے والے باپ کی تصویر دکھائی ہے۔ جس نے اپنی ذات کو فراموش کیا کیا ہوا ہے اور بچوں کی بقا اور ضروریاتِ زندگی کی خاطر قربانی دے رہا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں فرقہ بندی اور گروہی تعصب ایک رجحان کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ہر روز ایک نیا فرقہ معاشرے میں متعارف ہو رہا ہے اور ہر فرقے کا یہ دعوی ہے کہ اللہ اور رسولﷺ کے اگر کوئی قریب ہے تو وہ ہمارے فرقے سے وابستہ لوگ ہیں۔ ایسے میں کچھ سادہ لوح اور سیدھے سادے لوگ غلط فہمی کا شکار ہو کر گمراہی کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔ معلوم نہیں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔ اس فرقہ واریت اور گروہ بندی نےدینِ اسلام کو عام آدمی کے لیے ایک گھمبیر اور پیچیدہ مسئلہ بنا دیا ہے ۔سید اشعر کی نباض نظر سے یہ مسئلہ بھی پوشیدہ نہیں رہا اور انہوں نے اس پر ایک بہترین افسانہ ”ڈرائنگ ماسٹر“ کے نام سے لکھ ڈالا جس میں انہوں نے قاری صاحب کے کردار کی شکل میں گروہی تعصب کو ہوا دینے والوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ افسانے سے اقتباس ملاحظہ ہو:۔

" یزید کے لشکر نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کر کے بہت بڑا ظلم کیا۔۔۔۔۔۔۔”
میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں نے کاری کو مزید بات کرنے سے روک دیا۔

قاری صاحب مجھے سمجھ نہیں اتی آپ جب بھی میرے پاس آ کے بیٹھتے ہیں “ کربلا میں ہونے والے مظالم کیوں بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ آخر آپ کا مقصد کیا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ میری مشاورت سے ہوا تھا یا میرے اجداد یزید کے لشکر میں شامل تھے۔ میں آپ کو صاف صاف بتا دیتا ہوں کہ میں خود حضرت علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں۔ میرے جد ابن خنیفہ ان ہستیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے بعد میں بنو امیہ سے شہدائے کربلا کا بدلہ لیا تھا۔ آپ کو سمجھ نہ ائی ہو تو میں اپنی بات ایک بار پھر دہراؤں۔”

قاری کو سمجھ نہیں ارہی تھی کہ اس کے ساتھ بن کیا گیا ہے۔ ”نہیں---- نہیں---- میں تو دراصل---“ قاری ائے بائے شائے کرنے لگا

بس بس رہنے دیں۔“ میں وہاں سے اٹھ گیا۔" 11

افسانہ میں اگرچہ افسانہ نگار نے باقاعدہ طور پر فرقہ واریت کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے مگر انہوں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اس کی طرف اشارہ ضرور کیا ہے۔ فرقہ واریت میں پڑ کر ہم نہ صرف خود کو ہر لحاظ سے صحیح اور مکمل سمجھنے لگتے ہیں بلکہ ذاتی اختلاف کی بنا پر دوسروں کو غلط ثابت کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جس سے باہمی اتحاد و اتفاق اور احترام کا رشتہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور نفاق کو فروغ ملتا ہے۔ ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"معلمِ دینیات نے اپنے لہجے کو معتبر بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

دیکھیں مولانا! جہاں تک میرا مطالعہ ہے۔ قران پاک میں بالوں کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا ہوا۔ اس طرح حدیث میں بھی کوئی واضح ہدایات موجود نہیں۔ مختلف علماء کی الگ الگ آراِ موجود ہیں۔ سر کے بال اور داڑھی مونچھیں مرد کی زینت کے لیے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ہر آدمی کو اپنے چہرے اور قدبت کی مناسبت سے سر پر ایسے بال اور منہ پر داڑھی رکھنی چاہیے کہ دیکھنے والے کو وہ بھلا لگے۔ اسلام مذہب نہیں دین ہے۔ دو رکعت کے ملاؤں نے اسے مذہب بنا کے رکھ دیا ہے۔ ہمارے ہاں بہت سارے اسلام کے ٹیکہ داروں نے اپنا حلیہ ایسا بنایا ہوا ہوتا ہے جو دوسرے مذاہب یا ادیان میں ان کے شیاطین کا ہے۔ اس شباہت کے بارے میں بھی تو کوئی کلام کرے۔ اپنے اپ کو متوازن رکھیں۔ اب اگر کسی کا چہرہ لمبوترا داڑھی پتلی ہے تو اسے چوری داڑھی رکھنی چاہیے۔ زیادہ لمبی داڑھی کے ساتھ وہ ملادو پیازا لگے گا۔

معلمِ دینیات میرے اس وار سے تلملا کے رہ گیا۔" 12

علاوہ ازیں اس افسانے میں مختلف کردار زندگی کے مختلف حقیقتوں کے ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ حسد، جلن، رقابت، محرومی، شعوری پستی، جنسی گھٹن، پسماندگی اور بیگانگی جیسے مختلف وہ متضاد کیفیات بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جو ایک عام فرد کے مسائل کی مختلف شکلیں ہیں۔

ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی کی بدولت دنیا آج گلوبل ویلج بن چکی ہے۔ جس کی بدولت زندگی کے بیشتر شعبوں میں حیرت انگیز انقلابات برپا ہو رہے ہیں۔ دوریاں سمٹ رہی ہیں اور وہ کام بخوبی انجام کو پہنچ رہے ہیں جن کے لیے ماضی میں سینکڑوں افراد اور بہت سارے وقت کے ضرورت پڑتی تھی۔ سوشل میڈیا کے سحر سے نہ بچہ بچا ہے، نہ جوان اور نہ بوڑھا۔ اس نے ہر انسان پر برابر اثر ڈالا ہے اور اسے اپنے سحر میں گرفتار کیا ہے۔

سوشل میڈیا کے مختلف سائٹس اور ایپس جہاں زندگی میں مثبت طریقے سے استعمال ہو رہے ہیں وہاں اس کا منفی استعمال بھی کم نہیں۔ آج دنیا اس کو مثبت انداز میں کم اور منفی انداز میں زیادہ استعمال کر رہی ہے۔ اس کے منفی پہلوؤں میں وقت کا ضیاع سب سے نمایاں ہے۔ اس کا زیادہ اور غیر ضروری استعمال وقت کے ضیاع اور تباہی کا سبب بن رہا ہے۔ سید اشعر نے اس سماجی مسئلے کو بھی نہایت باریک بینی کے ساتھ اپنے افسانے میں سمویا ہے۔ افسانہ "ایڈیٹ" میں انہوں نے مختلف میڈیا سائٹس پر خواتین و حضرات کے درمیان دانستہ وہ غیر دانستہ طور پر ہونے والے گفتگو اور دوستی کے ذکر کو چھیڑا ہے اور اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ جہاں مرد کی فطرت میں عورت کی طرف جھکاؤ موجود ہے۔ وہاں عورت بھی تعریف کے دو میٹھے بول سن کر احمق بننے میں دیر نہیں لگاتی۔ اس کے علاوہ بہت سارے مرد حضرات سوشل میڈیا پر لڑکیاں بند کر شغل فرما رہے ہوتے ہیں جو محض جھوٹ اور فریب ہے۔ جس سے معاشرے میں دھوکہ، عداوت، فریب اور جھوٹ پروان چڑھتا ہے۔ افسانہ ایڈیٹ سے اقتباس ملاحظہ ہو:۔

" تقریباً ہر مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی کسی لڑکی سے بات ہو۔ بہت سارے مرد بھی لڑکیاں بن　　　　کے اپنے دوستوں کے ساتھ شغل کرتے۔ کچھ روز تو میری مختلف خواتین و حضرات سے رسمی سی چیٹ ہوتی رہی۔ جس میں کچھ پرانے دوست اور کچھ نئے دوست شامل تھے پھر ایک چیٹ روم میں مجھے ازلینا نام نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں نے اسے میسج بھیج دیا

اے ایس ایل پلیز۔"اس کا جواب آگیا"

" گرل 23 ملیشیا"

وہ غیر شادی شدہ لڑکی تھی۔ اس کی تصویر بھی بہت خوبصورت تھی۔ میں نے اپنے بارے میں اسے بالکل غلط بتایا۔ تاکہ وہ چیٹ نہ بن کر دے۔ کچھ عرصہ بعد جب ہم ایک دوسرے سے کافی مانوس ہو گئے تو میرے کہنے پر وہ ویڈیو چیٹ کے لیے امادہ ہو گئی۔ واقعی وہ بہت خوبصورت اور معصوم تھی؟ اس نے مجھے اپنے گورے گورے ہاتھ کی ایک انگلی میں پہنی ہوئی ارٹیفیشل رنگ دکھائی۔

یہ میں نے آج خریدی ہے۔ کیسی ہے؟" وہ اسے پہن کے بہت خوش تھی۔"

بہت خوبصورت۔ تم خود بھی تو بہت خوبصورت ہو۔ ایک دن میں تمہیں سونے کی رنگ گفٹ کروں گا۔" 13

ا س کے علاوہ سعید اشعر نے اپنے ایک اور افسانے "اچھا تو یہ تم ہو!" میں فیس بک کے غلط استعمال پر بھی اپنا موقف بیان کیا ہے اور یہ بتانے کی کوش کی ہے کہ اکثر مرد حضرات محض چاپلوسی کی خاطر پوسٹوں پر کیے گئے دوسرے لوگوں کے کمنٹس بھی پڑھتے ہیں اور زیادہ تر لوگ ٹھرک پن میں لگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ افسانہ "اچھا تو یہ تم ہو!" سے اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"فیس بک کھولی مختلف پوسٹوں اور ان پر کیے گئے کمنٹس کی شکل میں چاپلوسی، منافقت، جھوٹ، خود ستائشی، سستی شہرت، حماقت، بےہودگی اور ٹھرک پن کے غلیظ چہرے بآسانی دیکھے جا سکتے تھے۔" 14

سعید اشعر نے سوشل میڈیا نیٹ ورکنگ کے غلط استعمال کے نقصانات قارئین کے سامنے پیش کیے ہیں اور انہیں خبردار کیا ہے کہ سوشل میڈیا پلیٹ فورمز پر غلط بیانی، گالیوں،چاپلوسیوں اور ٹھرک پن سے اجتناب کرنا چاہیے۔

سعید اشعر کا ہر افسانہ چاہے وہ افسانہ "کھلونا" ہو یا "بیڑا غرق"، "ماسک" ہو یا "فضل حسین ماما"، "مانچی" ہو یا "آخری معرکہ"، ا"یڈیٹ" ہو یا "کھوتیاں جوگی"۔ تمام افسانے ایک عام فرد کے مسائل، محرومیوں، قربانیوں، معاشی بدحالی اور سماجی مزاحمتوں کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ باالفاظ دیگر سعید اشعر نے جن عصری مسائل اور موضوعات کو اپنے افسانوں میں جگہ دی ہے وہ واقعتاًایک عام فرد کے مسائل ہیں۔ جن سے ہر شخص نبردآزما ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی افسانوں کے معنویت بڑھ جاتی ہے۔ ان کا اسلوب نہایت سادہ اور روانی کا پیکر ہے۔ لفظوں کے انتخاب میں وہ بڑی چابکدستی کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ اور یہی ان کی افسانہ نگاری کا امتیازی وصف بھی ہے۔ ان کے تمام افسانوں میں حقیقت پسندی کا عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے افسانوں میں ایک بہتر سماج کی تشکیل کی آرزو فطری طور پر جاری و ساری نظر آتی ہے اور یہ خوبی ان کے اپنے ماحول، معاشرے اور اس کے افراد کے ساتھ ہمدردی اور درد مندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حوالہ جات

1۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو افسانہ روایت اور مسائل، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دلی، ۲۰۰۸، ص۔ ۱۲۵

2 ۔شکیل احمد، ڈاکٹر، اردو افسانوں میں سماجی مسائل کی عکاسی ابتدا سے ۱۹٤٧ تک، آفسٹ پریس، گورکھپور، ۱۹۸۴ ص۔ ۶۹

3 ۔ایضاً ، ص۔ ٥٤

4 .مستقیم نوشاہی، مشمولہ، ڈرائنگ ماسٹر (فلیپ) ، انحراف پبلیکیشنز لاہور، جنوری ۲۰۲۱

5. نعیم گیلانی، مشمولہ، ڈرائنگ ماسٹر (فلیپ)، انحراف پبلیکیشنز لاہور، جنوری ۲۰۲۱

6.سعید اشعر، ڈرائنگ ماسٹر، انحراف پبلیکیشنز لاہور، جنوری ۲۰۲۱ ، ص۔ ۳۲

7 .ایضاً ، ص۔ ۹۴، ۹۵

8. ایضاً ، ص۔ ۷۴، ۷۵

9ایضاً ، ص۔ ۸۷، ۸۸

10 .ایضاً ، ص۔ ۹۰، ۹۱

11 .ایضاً ، ص۔ ۵۰، ۵۱

12. ایضاً ، ص۔ ۵۹، ۶۰

13 .ایضاً ، ص۔ ۳۲، ۳۳

14 .ایضاً ، ص۔ ۱۴۶

References:

1. Gopi chand narang, Dr "Urdu Afsana revayat or Masayal, Educational publishing House, New Dehli, 2008, page No125
2. Shakeel Ahmed, Dr "Urdu Afsano me Samaji masayal ki Akasi (Ibteda se 1947 Tak"Afist Press Gorakh Pur 1984, Page No 69.
3. Ibid
4. Mostaqeem Noshahi,"Mashmoola Drawing Master" Flape, Inheraf Publications Lahore, 2021
5. Naheem Gelani, Mashmoola Drawing Master, Flape, Inheraf Publications Lahore, 2021
6. Saeed Ashar, Drawing Master" Inheraf Publications Lahore, 2021, Page No 32
7. Ibid, Page No 94-95
8. Ibid, Page No 74-75
9. Ibid, Page No 87-88
10. Ibid, Page No 90-91
11. Ibid, Page No 50-51
12. Ibid, Page No 59-60

13. Ibid Page No 32-33
14. Ibid, Page No 146.